افسانہ

خواب فروش

سحر جاوید

وہ خوابوں کا جزیرہ تھا، وسیع میدان اور اُس میں ستاروں کی طرح ہوا میں معلق خواب، کانچ کے حسین گولے، جن میں مختلف رنگوں کی شعاعیں لپٹیں مار رہی تھیں۔ خواب فروش نے اُسے ہدایت کی: "صرف اُسی خواب کو پکڑنا جو تمہیں خریدنا ہے۔" موی نے اثبات میں سر ہلایا، وہ سبھی خوابوں کو دیکھ رہی تھی، اچانک اسکی نظر خوبصورت رنگوں والے اُس خواب پر پڑی جسکے اندر سے بنفشی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ موی اسکی طرف بڑھی اس گولے میں اُسے اپنا عکس دکھا، وہ ڈاکٹر بنی مریض کا علاج کر رہی تھی۔ موی کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب اسی کا ہے......

خواب سراب ہوتے ہیں
نقشِ آب ہوتے ہیں
جو کبھی پورے نہ ہوں تو
خواب عذاب ہوتے ہیں

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ سرد رُتوں کی رات، برستی رات، ٹھٹھرتی رات اپنے اندر کتنا خوف، کتنا سناٹا، کتنی پر اسراریت سمیٹے ہوتی ہے۔ ایسی ہی ایک پُر اسرار، برستی رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ فضا میں خوف کا راج تھا۔ دور دور تک گھپ اندھیرا اور اندر تک سرایت کر جانے والا سناٹا جو پوری فضا پہ راج کر رہا تھا۔ جاڑے کی شدت، مہاوٹ کے مینہ اور گھپ اندھیرے نے شہر کے مکینوں کو وقت سے پہلے ہی اپنے نرم گرم بستروں میں دبکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ ایسے میں کہیں کہیں کسی آوارہ کتے کی مہین سی آواز سنائی دے جاتی، جو برستی رات اور سردی کی شدت سے بچنے کے لئے محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ یک بیک کسی گلی سے ایک ہیولا نمودار ہوا۔ سر سے پیر تک گہری بھوری چادر میں لپٹا، ہاتھوں کی اوٹ بنائے خود کو برستے اولوں سے بچاتا، تیز تیز قدم اُٹھاتا ہیولہ۔ اُس کے پاؤں میں کیچڑ آلود چپل، کندھے پہ کالا چرمی تھیلا اور ملگجا لباس جو کسی بھی صورت اس شدید سردی سے اُسے بچانے کے لئے ناکافی تھا گو کہ اب بارش میں قدرے بھیگ چکا تھا۔ یک بیک بادلوں کی گرج نے شیروں کی چنگھاڑ کا سا روپ دھار لیا۔ بجلی کی کڑک سے روشنی کی ایک جھلک نمایاں ہوئی اور پھر سے فضا پہ تاریکی چھا گئی لیکن اس ایک جھلک کا اتنا فائدہ ہو گیا کہ اُس ہیولے کو اپنی سمت متعین کرنے میں

مد دل گئی کہ اُسے کہاں جانا چاہیے۔ اب وہ ایک گلی میں داخل ہوا اور سناٹے میں ڈوبے گھروں کے آہنی دروازوں کو کھٹکھٹانے لگا۔ موسم کی شدت اپنے جوبن پہ تھی اور وہ دانت بجاتا ایک کے بعد ایک دروازہ کھٹکھٹاتا چلا گیا کہ کوئی خدا ترس انسان دروازہ کھولے اور اُسے پناہ مل سکے لیکن نہیں اس نفسا نفسی اور خود غرضی کے دور میں اُسے اُمید نہیں تھی کہ کوئی دروازہ کھلے گا اور اُسے پناہ ملے گی۔ اس لئے کہ شہر کے حالات ایسے نہ تھے کہ کوئی کسی اجنبی پہ اعتبار کر سکتا پھر بھی موہوم سی اُمید اُسے سعیٔ لاحاصل پہ اُکسا رہی تھی کہ یوں ٹھٹھرتے ہوئے مر جانے سے کہیں بہتر ہے کہ کوشش کرتے ہوئے دم توڑا جائے۔ یکا یک اُس کی نگاہ ایک گھر کی کھڑکی سے لپکتی روشنی پر پڑی اور وہ دیوانہ وار اُس گھر کی طرف بھاگا۔ پوری کوشش سے دروازہ پیٹنے لگا کچھ دیر کان لگائے دروازے کی اوٹ سے کسی آواز کا منتظر رہا اور پھر سے پوری قوت سے دروازہ پیٹ ڈالا کہ گھر کے مکین اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ دفعتاً اُسے محسوس ہوا کہ دروازے کے اُس پار قدموں کی آہٹ بتدریج قریب آ رہی ہے۔ وہ سراپا سماعت تھا۔ لب وا ہو رہے تھے، ذہن لفظوں کے جال بن رہا تھا کہ کیسے گھر کے مکین سے اپنی بے کسی اور لاچاری بیان کرنی ہے۔ وقت رفتہ رفتہ گزر رہا تھا اور ہر آن اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ گزرتے لمحات اُس پہ کس قدر بھاری تھے۔ وہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گھر کے مکین کے قدموں کی چاپ گن رہا تھا ایک، دو، تین......اور کھٹ کی آواز سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

بادل کی زوردار گرج سے سات سالہ موی اُٹھ بیٹھی۔ آس پاس گھپ اندھیرا اور باہر سے برستی بارش کی آواز میں وہ سہمی چڑیا کی طرح کچھ دیر لحاف میں دبکی رہی، بعد ازاں بادل گرجنے کی خوفناک آواز نے اُسے دہلا دیا اور وہ بستر سے نکل کے ننگے پاؤں ہی دیوار کو ٹٹولنے لگی۔ سوئچ بورڈ پہ ہاتھ پڑا اور یک بیک پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ اُس نے وقت ضائع کیے بغیر پاؤں میں جوتا اڑسا اور باہر کی طرف بھاگی۔ پہلا خیال امی ابو کا آیا اور وہ اُن کے کمرے تک پہنچی۔ دروازے پر دستک دی، دو چار دفعہ ماں کو پکارا لیکن جواب ندارد۔ ایک بار پھر بادل کی دل دہلا دینے والی گرج سنائی دی اور وہ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی۔ اندر کسی کو نہ پا کے وہ رو دینے کو تھی کہ خیال گزرا دادی اماں کے پاس جائے۔ اُلٹے قدموں نچلی منزل کی طرف بھاگی، گرتے پڑتے آنسو بہاتے دادی کو پکارا، کمرے میں گھس کے تلاشنے لگی لیکن وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ اب تو وہ بہت ٹپٹائی۔ بھیا کے

کمرے میں دیکھا اُن کو بھی نہ پایا۔ وہ دھاڑیں مار کے رونے لگی، گھر بھر کی لاڈلی موی، سب سے چھوٹی، سب سے دلاری، پھر بھی اُسے اکیلے گھر میں چھوڑ کے سب کہاں چلے گئے، کوئی ایک بھی نہیں۔ یہ کیونکر ہوا۔ وہ ایک ایک کا نام پکار کے رونے لگی۔ ''بھیا جانی......ابو جان......امی جان......دادو جھیا......'' کوئی نہیں تھا، کوئی بھی نہیں تھا کچھ تھا تو گہرا سناٹا یا پھر بادلوں کی گرجدار آواز جو اُس کے ننھے وجود کو ہولائے دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر خوب روتی رہی اور جب رو رو کے بے حال ہوگئی تو ایک بار پھر پورے گھر میں گھومنے لگی کہ شاید کسی کمرے میں سب اکٹھے ہو کے اُسے ڈرا رہے ہوں۔ اُس کی پچھلی سالگرہ پہ بھی ایسا ہی ہوا تھا ناں۔ سب ایک کمرے میں چھپ گئے تھے اور رات بارہ بجے اُسے جگایا گیا تھا۔ گھپ اندھیرے میں جب وہ سارا گھر چھان کے ڈرائنگ روم تک پہنچی تھی تو بھیا جانی نے موم بتیاں جلا دی تھیں اور سب نے اُسے ہیپی برتھ ڈے کہا تھا لیکن آج..... آج تو اُس کی برتھ ڈے بھی نہیں تھی۔ وہ تو ابھی تین ماہ بعد آنی تھی۔ وہ اسی شش و پنج میں پورے گھر کا جائزہ لیتی رہی، ہر طرف بتیاں روشن کیے، سب کو ڈھونڈنے لگی لیکن کوئی ہوتا تو اُسے نظر آتا ناں۔ وہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔ مایوس ہو کے وہ ٹی لاؤنج کی ایک دیوار سے لگ کے بیٹھ گئی۔ سردی کا احساس جاگا تو صوفے پہ دبک کے خود کو سمیٹ لیا ،بکھرے بالوں کے ساتھ سر گھٹنوں میں دیے بے آواز روتی گئی اور نا جانے کون کون سے وہم اُسے ستاتے گئے ۔ماورائی کہانیوں کے کردار اُس کے تصور میں جگمگانے لگے، اُڑنے والی ڈائن، لمبے دانتوں والا جن، لمبی ناک والی چڑیل، ایسا محسوس ہوا ابھی اُس کے آس پاس ہیں اور کہیں چھپ کے اُسے گھور رہے ہیں۔ یکا یک اُسے محسوس ہوا کہ دروازے پر دستک ہوئی ہے وہ چونک اُٹھی۔ ایک لمحے کو یہی محسوس ہوا کہ بادل کی گرج ہے لیکن کچھ وقفے کے بعد پھر سے یوں لگا کہ کوئی دروازہ پیٹ رہا ہے۔ اب کوئی شائبہ نہیں رہا تھا وہ دیوانہ وار باہر لپکی، تیز بارش اور اولوں نے اُس کے قدموں کی رفتار سست کردی، وہ سنبھل سنبھل کے قدم اُٹھاتی داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ دروازے کے اُس پار اُس کے گھر والے ہی ہیں۔ اُسے اُن کا فکر محسوس ہوا کہ کیسے اتنی بارش میں وہ باہر کھڑے ہیں، سردی کی شدت سے اُس کے دانت بج رہے تھے۔ اُس نے اپنی پوری توانائی صرف کر کے دروازہ کھولا تو پوری جان سے کانپ گئی۔

☆......☆......☆

دروازہ کھلا تو اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اس لئے کہ اُسے قطعی اُمید نہ تھی کہ دروازہ کھولنے والی کوئی ننھی بچی ہوگی۔ آنکھوں کا تصادم ہوا، وہ غالباً خوفزدہ تھی اور صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسری طرف اُس کے ملتجی الفاظ کہیں ہوا میں ہی تحلیل ہو کے رہ گئے تھے۔ اب وہ سوچ رہا تھا اس معصوم سے اظہارِ خیال کیسے کرے ؟ پھر اگلے ہی لمحے بس اتنا ہی کہہ پایا، ''بیٹی! گھر میں کوئی بڑا نہیں ہے کیا؟''۔

وہ بھی جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی اور تھوک نگل کے بولی ''نن..... نن..... نہیں'' بڑی مشکل سے اُس نے یہ الفاظ کہے اور اگلے ہی لمحے بے ہوش ہو کے گر چکی تھی۔ اُس کے لئے یہ صورتحال قطعی غیر متوقع تھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ کچھ دیر گومگو کی حالت میں رہنے کے بعد اُس نے اُس بچی کو گود میں لیا اور دروازہ بھیڑ کے اندر چلا گیا۔ اُسے صوفے پہ لٹایا۔ خوف اور سردی کی شدت سے بچی کے ہونٹ نیلے اور چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ دھیمی پڑتی نبض سے وہ گھبرا سا گیا۔ کسی کمرے سے کمبل اُٹھا لایا اور اُس بچی کو اچھی طرح اُڑھا دیا۔ اب باورچی خانے کا تعین کرتے ہوئے فرج سے دودھ نکال، گرم کر کے بچی کو ہلایا۔ وہ کسمسائی اور اُٹھ بیٹھی۔ آنکھوں کی پتریاں خوف سے چڑھ گئیں اور گہرے سانس بھرنے لگی۔ اُس نے اپنی آواز میں حد درجہ ملائمت بھرتے ہوئے اُس خوفزدہ سی گڑیا کو مخاطب کیا، ''بیٹی! گھبراؤ نہیں، یہ دودھ پی لو۔'' اُس کے چہرے پر مہربان مسکراہٹ دیکھ کے بچی کو قدرے حوصلہ ہوا اور کپکپاتے ہاتھوں سے اُس نے گلاس تھام لیا۔ دودھ پیتے ہوئے بھی وہ اُس پر مسلسل نظریں جمائے رہی مبادا وہ اُسے کوئی نقصان پہنچا دے۔ وہ صوفے پر دبک کے بیٹھی تھی۔

''آپ اکیلی کیوں ہیں؟ گھر والے سب کہاں ہیں؟'' اُس نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

''پتا نہیں۔'' مختصر جواب دے کے وہ خاموش ہو گئی۔ وہ اس قدر سہمی تھی کہ کوئی سوال پوچھنے کا حوصلہ پیدا نہ کر پائی۔ اُس نے کمرے میں نظر دوڑائی اور دیوار پر لگی تصویروں کے متعلق استفسار کرنے لگا تاکہ وہ اُس معصوم کا خوف کم کر پائے۔ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور وہ دھیرے دھیرے اُس کی باتوں کا جواب دینے لگی۔ اکثر باتوں پر مسکرانے لگی اور اب وہ اُس سے پوچھنے لگی، ''بابا آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا، آپ کون ہیں اور اتنی رات گئے باہر کیا کر رہے تھے؟ کیا آپ کا کوئی گھر نہیں ہے؟''۔

''بیٹی! میں خواب فروش ہوں۔ گلی گلی خواب لئے گھومتا ہوں۔ اسی بیوپار میں دیر سویر ہو جاتی ہے لیکن آج اچانک موسم خراب ہو گیا اور ایک خریدار سے اتنی دیر تکرار ہوتی رہی کہ رات بھی گہری ہو گئی۔ چلتا چلتا اِدھر آ نکلا۔

بہت گھروں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں تو مایوس ہو چلا تھا کہ تمہارے گھر روشنی دیکھ کے ادھر آنکلا۔" وہ کچھ گومگو کی کیفیت میں تھی، پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

"خواب فروش؟؟؟ بھلا یہ خواب فروش کون ہوتا ہے؟۔" وہ مسکرا دیا۔

"خواب فروش وہ ہوتا ہے جو خواب بیچتا ہے۔"

"خواب بھی بکتے ہیں کبھی؟۔" اس کی آنکھوں میں دنیا بھر کی حیرت سمٹی تھی۔

"ہاں خواب بھی بکتے ہیں۔ میں بیچتا ہوں خواب؟۔"

"اچھا...جو خواب ہم رات سوتے میں دیکھتے ہیں...وہ والے خواب؟ کیا وہ خواب آپ بیچتے ہو؟ مگر میں نے کبھی کوئی خواب نہیں خریدا؟۔" اس کی آنکھوں میں استعجاب اور لب پہ بے شمار سوال تھے۔ جواباً خواب فروش مسکرا دیا۔

"ارے نہیں بابا نہیں....جو خواب تم سوتے میں دیکھتی ہو وہ خواب نہیں تمہارا خیال ہوتا ہے۔ تمہارے لاشعور میں چھپی باتیں ہوتی ہیں جو تمہیں سوتے ہوئے دکھائی دے جاتی ہیں۔ جو خواب میں بیچتا ہوں وہ ان سے مختلف ہیں، بہت الگ، بہت منفرد۔"

"بھلا وہ کیسے؟ کیسے خواب بیچتے ہیں آپ؟۔"

"دولت کا خواب، شہرت کا خواب، اعلیٰ منصب کا خواب، محبت کا خواب اور ایسے ہی کئی ایک؟۔"

اُس نے کچھ سمجھی، کچھ نہ سمجھی میں اثبات میں سر ہلا دیا مبادا یہ اجنبی بھی بڑے بھیا کی طرح اُسے کج فہمی کا طعنہ دے پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئی: "اچھا آپ یہ خواب رکھتے کہاں ہیں؟۔" خواب فروش نے اپنے چرمی تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں۔"

"ابھی بھی آپ کے اس تھیلے میں خواب ہیں؟۔"

"ہاں اب بھی ہیں۔"

"کیا میں دیکھ سکتی ہوں۔" یہ کہہ کے وہ اشتیاق سے اُس تھیلے کی طرف بڑھی۔

"نہیں.....ہرگز نہیں....." وہ فوری اُس کی طرف بڑھا اور تقریباً چھینتے ہوئے اُس کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا۔ پہلی دفعہ اُس کے انداز تخاطب سے وہ خوفزدہ ہو گئی کیونکہ اُس کی آواز میں واضح تنبیہ تھی۔

"ہاتھ مت لگانا اس تھیلے کو.....اس میں کوئی بھی خواب تمہارے لئے نہیں ہے۔ پرائی امانتیں ہیں۔ سب خواب بک چکے ہیں اس تھیلے کے.....بس انھیں ان کے خریداروں کے حوالے کرنا ہے۔"

"مگر میں تو بس دیکھنا چاہتی تھی۔"

"بالکل نہیں..... یہ خواب بہت نازک ہوتے ہیں، سختی سے بھی چھولو تو ٹوٹ کے بکھر جاتے ہیں۔ تم کو اندازہ نہیں کہ ان کے ٹوٹنے سے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔" وہ ابھی بھی خفا تھا۔ "چلو اب جا کے سو جاؤ اپنے کمرے میں۔" وہ بلا چوں چراں اُس کی بات مانتے ہوئے منہ بسورے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ یوں جیسے یہ گھر اُس کا نہیں، خواب فروش کا ہو۔ اُس کے چلے جانے کے بعد خواب فروش وہیں قالین پہ کمبل لپیٹے لیٹ گیا۔ دن بھر کی تھکن اور ذہنی کوفت کی وجہ سے آن کی آن میں وہ نیند کی آغوش میں تھا۔ غالباً خواب فروش، خود محوِ خواب تھا۔

☆......☆......☆

موی بستر پہ آلیٹی تھی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹ بدلتی رہی اور ذہن خواب فروش کے چرمی تھیلے میں اُلجھا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ خواب کیسے ہوتے ہیں جو یہ خواب فروش بیچتا ہے۔ آخر گھنٹے بھر کی کوفت کے بعد وہ اُٹھ بیٹھی دبے پاؤں کمرے سے باہر نکلی اور باہر جھانک کے دیکھا، ٹی وی لاؤنج خواب فروش کے بلند خراٹوں سے گونج رہا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی میز کے قریب آئی جس پر رکھا ہوا کالا چرمی تھیلا اُس کے تجسس کو ابھار رہا تھا۔

اُس نے چرمی تھیلے کو دھیرے سے کھولا اور اندر جھانک کے دیکھا اور حیرت سے اُس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ تھیلے میں خوبصورت رنگوں میں کانچ کے گولے تھے، انتہائی خوبصورت، انتہائی منفرد اور نازک، اُس نے آہستگی سے ایک گولا نکالا۔ اُس کے اندر سے گہری سبز شعاعیں پھوٹ رہی تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُن شعاعوں میں ایک شکل اُبھرنے لگی اور وہ شکل ایک خوبصورت گاڑی میں ڈھل گئی۔ موی کا جی چاہا وہ گاڑی خرید لے کیونکہ اُس کے ابو کی گاڑی بہت پرانی ہو چکی تھی اور اسی وجہ سے کئی بار اُسے سکول پہنچنے میں تاخیر کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُس نے احتیاط سے وہ گولا اندر رکھ دیا اب ایک سنہری شعاعوں والا گولا نکالا، وہ بھی آہستگی سے کسی شکل میں ڈھلنے لگا۔ اب کے ایک بہت ہی خوبصورت گھر کی تصویر اُبھری۔ اتنا خوبصورت اور بڑا گھر اُس نے پہلی بار دیکھا تھا اس گھر کو دیکھ لینے کے بعد اُس نے اپنے گھر کے در و دیوار پر نظر ڈالی جس کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا

اس خوبصورت گھر کے سامنے اُسے اپنا گھر پرانا اور بدنما دکھائی دینے لگا۔ اُس نے آہستگی سے وہ گولا بھی اندر ڈال دیا۔ اب ایک پیازی شعاعوں والا گولا نکالا۔ اُس گولے نے ایک خوبصورت شہزادی کا روپ دھار لیا۔ اتنی خوبصورت شہزادی اُس نے کسی کہانی میں بھی نہ دیکھی تھی۔

سومی خوابوں کے اس سراب میں اُلجھی تھی کہ خواب فروش نے کروٹ بدلی، وہ ڈر گئی، آہستگی سے وہ گولا بھی اندر رکھا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ اتنے خوبصورت خواب اُسے اکسا رہے تھے۔ وہ یہ بھی خواب خریدنا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنا مٹی باکس نکالا اور پیسے گننے لگی۔ چند ہرے، لال اور نیلے نوٹ تھے۔ کچھ سکے بھی تھے۔ سب سکے ایک طرف کر کے نوٹ گننے لگی، کل پانچ سو پچیس روپے تھے۔ اب وہ سوچنے لگی کہ پتا نہیں وہ خواب کتنے مہنگے ہوں گے۔ دفعتاً اُسے اپنی کل پونجی بہت کم لگنے لگی اور دکھ ستانے لگا کہ کیوں وہ اپنے پیسے پہلے بیکار برباد کرتی رہی ہے آج اگر وہ بھی ہوتے تو وہ یقیناً کوئی خواب خرید پاتی۔ اب اُسے خواب فروش کے جاگنے کا انتظار تھا کہ کسی طرح بھاؤ تاؤ کر کے وہ کوئی سستا سا خواب خرید لے۔ اُس نے امی اور دادی کو کئی بار دکانداروں سے بھاؤ کرتے دیکھا تھا۔ ”اُف یہ رات کتنی لمبی ہو گئی تھی..... صبح کیوں نہیں ہو رہی۔“ وہ سوچ گئی۔

☆......☆......☆

”نہیں..... میں نے کہا تھا ناں کہ ان میں سے کوئی بھی خواب تمہارے لئے نہیں ہے۔ یہ سب خواب بک چکے ہیں۔“ خواب فروش نے کمال بے نیازی سے اُس کی ساری پونجی پر نظر ڈالی اور ایک طرف رکھتے ہوئے اُسے مایوس کر ڈالا۔

”لیکن بابا! مجھے ایک خواب خریدنا ہے..... کوئی سا ایک خواب۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے گویا ہوئی۔

”کیا خواب خریدو گی... میرے پاس تمہارے لئے کوئی خواب ہی نہیں ہے۔ اب ایک طرف ہو جاؤ..... مجھے اپنی منزل کی طرف جانا ہے۔ جن کے خواب میرے تھیلے میں ہیں اُن کے حوالے کرنے ہیں اور نئے خواب لانے ہیں، وقت کم ہے میرے پاس۔“

”تم یہ خواب کہاں سے لاتے ہو بابا!“

”خوابوں کے جزیرے سے..... اور کہاں سے۔“ وہ بے نیازی سے بولا۔

”خوابوں کا جزیرہ۔“ اُس نے زیر لب دہرایا اور دوسرے ہی لمحے اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

خوابوں کا جزیرہ.... اُس میں ایسے.... اور اُس جیسے بہت سے خواب ہوں گے جو کل رات میں بابا کے چرمی تھیلے میں دیکھ چکی ہوں۔"

اب مومی کی دلچسپی اُن خوابوں سے ختم ہوگئی اور وہ خوابوں کے جزیرے کے متعلق سوچنے لگی۔ بھلا وہاں اور کون کون سے انوکھے خواب ہوں گے۔

"بابا!۔"

"ہوں۔"

"میری ایک بات مانو گے۔"

"بولو بیٹی! میں تمہارا احسان مند ہوں، تم محسنہ ہو میری، ننھی سی محسنہ.... کل رات اگر تم مجھے پناہ نہ دیتی تو شاید میں سردی میں ٹھٹھر کے مر چکا ہوتا۔" مومی اُس کی لمبی بات سے بے مزہ سی ہوگئی کیونکہ اُس کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی تھی۔

"بابا! وعدہ کرو ناں کہ تم میری بات نہیں ٹالو گے۔"

"اچھا وعدہ نہیں ٹالوں گا اب بولو۔" اُس نے بابا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے وعدہ لیا مبادا وہ مکر جائے۔

"آپ مجھے بھی خوابوں کے جزیرے میں لے چلو ناں۔ میں ایک بار وہاں جا کے بھی خواب اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی خوابوں کے جزیرے میں نہیں جا سکتا وہاں اتنے خواب ہیں کہ تم حقیقت کی دنیا بھول جاؤ گی۔ کھو جاؤ گی اُسی دنیا میں۔"

"نہیں بابا! میں اپنے ہوش نہیں کھوؤں گی۔ آپ مجھے لے جائیں ناں وہاں۔" وہ مچلی۔

کتنی ہی دیر اُن میں تکرار ہوتی رہی آخر خواب فروش ہمت ہار گیا۔ وہ سات سالہ بچی سے ہار گیا تھا۔

"اچھا... ٹھیک ہے۔ تم چلو میرے ساتھ، لیکن میرا ساتھ نہ چھوڑنا......" مومی نے بات کاٹی

"نہیں چھوڑوں گی بابا۔"

"میری بات پوری سنو۔ تم کسی بھی خواب کو بے پروائی سے نہیں پکڑو گی، نہ سختی سے دبوچو گی، ورنہ خواب ٹوٹ جائیں گے۔ تم نہیں جانتیں یہ خواب کانچ سے بھی نازک ہوتے ہیں......"

”میں جانتی ہوں۔“ وہ بے دھیانی میں بول گئی پھر اپنی زبان کو دانتوں تلے دے دیا کہ اُسے یاد آ گیا کہ رات اُس نے خواب فروش کی اجازت کے بغیر اُس کے تھیلے میں خواب دیکھے تھے۔

”تم کیسے جانتی ہو؟“ خواب فروش نے گہری نظر اُس پہ ڈالی۔

”یوں ہی ..... بس.... مجھے لگا..... خواب اتنے قیمتی ہوتے ہیں تو نازک بھی ہوتے ہی ہوں گے ناں۔“ اُس نے کمال بے ساختگی سے ایک بات بنا کے خواب فروش کو مطمئن کر دیا۔

☆......☆......☆

خوابوں کے جزیرے کی طرف اُن کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ موی کی دلچسپ باتوں سے خواب فروش کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ راستے میں خواب فروش نے اپنے چرمی تھیلے سے خواب نکال نکال کے اُن کے مالکان کے حوالے کئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ صدا بھی بلند کر رہا تھا۔

”خواب لے لو خواب..... حسین خواب، دلفریب خواب..... انوکھے خواب، نرالے خواب........ خواب لے لو خواب۔“

خواب فروش کی صدا دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔ بہت سے لوگ آئے، بھاؤ تاؤ ہوئے، خوابوں کا سودا طے ہو گیا۔ یکا یک ایک نوجوان عجیب سے حلیے میں خواب فروش کے پاس آیا، اُس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ چہرے سے کرب کے آثار نمایاں تھے۔ وہ خواب فروش کا گریبان پکڑے اُسے گھسیٹتا ہوا دور لے گیا۔ قرآئن یہی کہتے تھے کہ وہ لڑکا سخت غصے میں ہے۔ خواب فروش اُسے سمجھا رہا تھا لیکن وہ زور زور سے ہاتھ ہلاتا جیسے اُس کی ہر بات کو رد کر رہا تھا۔ موی سہمی ہوئی اس ساری صورتحال کا جائزہ لے رہی تھی۔ نا جانے کس طرح وہ راضی ہوا، خدا جانے کیسے خواب فروش نے اُسے سمجھایا کہ وہ لڑکا چلا گیا۔

”بابا! کون تھا وہ۔“

”ایک خریدار۔“ خواب فروش نے مختصر الفاظ اور تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”وہ تکرار کر رہا تھا، شکایت کر رہا تھا کہ میں نے جو خواب اُسے بیچا ہے، ناپائیدار تھا۔ ٹوٹ گیا ہے، اب وہ تکلیف میں ہے۔“

"پھر؟"

"پھر کیا؟ میں بھلا کیا کروں؟ میں نے خواب بیچنے سے پہلے ہی اُسے کہا تھا کہ یہ خواب نازک ہے اور اُس کی طبیعت بے پروا۔ نہیں حفاظت کر پایا خواب کی..... نہیں محنت کر پایا تعبیر پانے کے لئے.... سو خواب ٹوٹ گیا.... میں بھلا کیا کروں۔"

اُن کی باتیں جاری تھیں کہ برے حال میں ایک لڑکی آئی، نیم دیوانی سی، پگلی سی، رو دینے کو تیار، چہرے پہ ایسے لکیریں سی پڑی تھیں جیسے آنسو بہا بہا کے چہرے پہ ہی خشک ہو گئے ہوں۔ وہ قریب آ کے چلانے لگی:

"دھوکے باز ہو تم... جھوٹے ہو، دیکھو تمہارے خوابوں نے میرا کیا حال کیا ہے، نہ زندوں میں ہوں نہ مردوں میں... کیسے جیوں گی میں، کیسے جی پاؤں گی؟" وہ رونے لگی۔ خواب فروش کے چہرے پہ کرختگی تھی، سرد مہری تھی جبکہ مومی کا دل اُس کے آنسوؤں سے پگلا جا رہا تھا۔ خواب فروش اُسے روتا چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔ مومی اُس کے پیچھے چل رہی تھی لیکن اُس سے خفا۔

"آپ کو اُس کے لئے کچھ کرنا چاہئے تھا بابا!"

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ سنگدلی سے بولا۔

"کچھ تو کرتے بابا! کوئی اور خواب دے دیتے اُسے، تم تو خوابوں کے جزیرے سے واقف ہو، کچھ بھی کر سکتے ہو۔"

"نہیں..... میں سب کچھ نہیں کر سکتا.... اس نے خواب اپنی استعداد سے اُونچا خریدا تھا، منع کیا تھا میں نے.... مت خریدو یہ خواب.... بڑی مشقت طلب تعبیر ہے اُس کی.... نہیں مانی یہ...اب تڑپتی پھرے میں بھلا کیا کروں۔ سب میرے بس میں تھوڑا ہی ہے۔"

☆......☆......☆

دن ڈھل رہا تھا، خوشگوار انداز میں شروع ہونے والا سفر قدرے بوجھل اور تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ نا جانے کتنے لوگ خوابوں کے ٹوٹنے کی شکایت کر چکے تھے اور مومی دل برداشتہ ہو گئی تھی۔ اُس کی مٹھی میں دبے پانچ سو پچیس روپے اُسے سوچنے پہ مجبور کر رہے تھے کہ اُسے یہ ناپائیدار کھلونا خریدنا چاہئے یا نہیں.... تجسس اپنی جگہ اور خدشات اپنی جگہ، ماحول پہ گہرا سکوت طاری تھا، پھر کچھ سوچ کے مومی گویا ہوئی:

"بابا! ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو بیٹی۔"

"مجھے خواب خریدنے سے ڈر لگ رہا ہے، یہ ٹوٹنے پہ بہت تکلیف دیتے ہیں، ان سب لوگوں کی حالت دیکھ کے میری ہمت ٹوٹنے لگی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں بیٹی خواب منزل کا نشان ہوتے ہیں۔ جب تک بندہ منزل کا تعین نہیں کرے گا بھلا منزل تک کیسے پہنچے گا۔"

"بابا کسی کے خواب تعبیر پاتے ہیں کیا؟ تم سے تو سبھی خواب ٹوٹنے کی شکایت کرنے ہی آئے کسی نے آ کے نہیں بتایا کہ اُس کا خواب تعبیر پا گیا۔"

"اچھا مجھے ایک بات بتاؤ، تم نے ایک خوبصورت جوتا خریدا، اُسے پہنا، اُسے برتا، کیا کبھی تم نے جا کے اُس جفت ساز سے کہا کہ بھائی بہت شکریہ یہ جوتا بڑا نفیس اور بہت اچھا تھا۔" اُس نے نا سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا کہ اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

"اچھا اور جب کوئی بالکل نیا، بہت مہنگا جوتا کاٹنے والا ہو یا تکلیف دے رہا ہو تو کیا کرتی ہو۔"

"جا کے اُس دکاندار کو شکایت کرتی ہوں کہ بھلا اتنے پیسے لے کے بھی تکلیف دہ جوتا دے دیا۔"

"بس یہی بات ہے ناں، میرے پاس وہ کبھی نہیں آتا جس کا خواب تعبیر پا گیا ہو، وہی آتا ہے جس کا خواب ٹوٹ گیا ہو۔"

مومی نے تائید میں سر ہلایا۔

☆......☆......☆

وہ خوابوں کا جزیرہ ہی تھا، وسیع میدان اور اُس میدان کے چاروں طرف پانی ہی پانی، وسیع میدان میں ستاروں کی طرح ہوا میں معلق خواب، کانچ کے حسین گولے، جن میں مختلف رنگوں کی شعاعیں لپٹیں مار رہی تھیں۔ اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ مومی کا چہرہ اُن شعاعوں کی تپش سے دمک رہا تھا۔ خواب فروش نے اُسے ہدایت کی "بس دور دور سے ان خوابوں کو دیکھنا، انھیں چھونا مت، صرف اُسی خواب کو پکڑنا جو تمہیں خریدنا ہے۔" مومی نے اثبات میں سر ہلایا اور خواب فروش اپنے کام میں مشغول ہو گیا، وہ اُن خوابوں کی تلاش میں تھا جن کا سودا وہ

کر چکا تھا اور موی دھیرے دھیرے سبھی خوابوں کو دیکھ رہی تھی، اچانک اُس کی نظر خوبصورت رنگوں والے اُس خواب پر پڑی جس کے اندر سے بنفشی شعاعیں لپک لپک کے باہر آ رہی تھیں جیسے موی کو اپنی جانب پکار رہی ہوں ۔ موی اُس کی طرف بڑھی اُس گولے میں اُس نے اپنا عکس دیکھا، وہ ڈاکٹر بنی مریض کا علاج کر رہی تھی۔ موی کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب اُسی کا ہے، وہ بڑھ کے اُسے پکڑنے کو تیار تھی کہ خواب فروش کی آواز آئی۔

''ادھر آؤ.... موی بیٹا! ادھر آؤ.... یہ دیکھو میرے پاس کیا ہے۔'' اُس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی اُس کے ہاتھ میں ایک معمولی سی ڈنڈی تھی۔ موی کو اُس ڈنڈی میں کوئی خاص دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔

''کیا ہے بابا یہ....۔'' اُس نے سرسری انداز میں پوچھا، اُس کی دلچسپی کا محور بنفشی شعاعوں والا گولا تھا جس میں سے شعاعیں لپک لپک کے اُسے اپنے پاس بلا رہی تھیں۔

''یہ ہتھیار ہے تقدیر سے لڑنے کا ہتھیار.... جب قسمت کسی خواب کی تعبیر میں رکاوٹ بننے لگے اور لاکھ کوشش، عزم صمیم اور سخت محنت کے بھی تعبیر پانا مشکل ہو جائے تو یہ ہتھیار کام آتا ہے۔ یہ اچھا مقدر ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔ قسمت اچھی ہو تو ہر خواب کی تعبیر آپ کی مٹھی میں ہوتی ہے۔ سمندر کے سینے میں جیسے لاکھوں سیپ ہوتے ہیں اور کسی کسی میں سے موتی نکلتا ہے ٹھیک اُسی طرح یہ ڈنڈی کبھی کبھار ہی میرے ہاتھ لگتی ہے اور میں بہت خاص لوگوں کو سونپتا ہوں۔ میری مانو، خواب چھوڑو اور اپنے پانچ سو پچیس روپے سے یہ اچھا مقدر خرید لو۔'' خواب فروش جذب کے عالم میں بولتا جا رہا تھا اب جب اُس نے موی کی طرف دیکھا تو موی خواب تھام چکی تھی، وہی بنفشی شعاعوں والا خواب۔ اُسے اس اچھے مقدر میں کوئی دلچسپی نہ تھی، اُسے اپنی ہمت اور زور بازو پہ یقین تھا۔ خواب فروش اُس کے پیچھے بھاگا کہ اُسے اچھے مقدر کی اہمیت سمجھا سکے اور قائل کر سکے کہ خواب چھوڑ کے مقدر خرید لے لیکن سات سالہ بچی کے نزدیک وہ شے زیادہ دلچسپی رکھتی تھی جو زیادہ حسین تھی۔ موی آگے آگے بھاگی، خواب فروش پیچھے اُسے پکار رہا تھا لیکن وہ انہونی ہوئی جس کا ڈر تھا، موی کے ہاتھ سے خواب گر گیا، کانچ کا گولہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جب تک خواب فروش اُس تک پہنچا کانچ کے ٹکڑے موی کو لہولہان کر چکے تھے۔ لاکھوں ٹکڑے، ہزاروں ٹکڑے، جو اُس کے وجود کو چھلنی کر رہے تھے، دھیرے دھیرے اُس کے ہاتھوں کی جلد میں پیوست ہو رہے تھے، وہ کرب سے چلا رہی تھی، خواب فروش اُس کے پاس افسردہ سا بیٹھا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں یہ ٹکڑے اُس کی روح میں حلول نہ کر جائیں، ایسا ہو جاتا تو اُس کا بچنا ممکن نہ تھا۔ خواب فروش رو رہا تھا، اُس

وقت کو کوس رہا تھا جب وہ اپنی ننھی محسنہ کو خوابوں کے اس جزیرے میں لایا تھا۔ موی درد کی شدت سے چلا رہی تھی ۔ دھیرے دھیرے وہ درد سے بے حال ہوتی چلی گئی ، نڈھال سی ہوش کی دنیا سے بیگانہ ، خواب فروش اُسے کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن نہیں پا رہی تھی ، وہ اُسے کچھ تھما رہا تھا لیکن اُس کے ہاتھوں میں سکت نہیں تھی کہ وہ کچھ بھی تھام سکے ۔ اُس کے چہرے پہ مردنی چھا رہی تھی ۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں ، کان سائیں سائیں کر رہے تھے ، پھر گھپ اندھیرا ہوتا چلا گیا

☆......☆......☆

" ڈاکٹر صاحب ! میری بیٹی کو کب تک ہوش آئے گا۔" ابو جان موی کا علاج کرنے والے ڈاکٹر سے پوچھ رہے تھے۔

" کچھ کہا نہیں جا سکتا ، کسی گہرے صدمے کا اثر لگتا ہے۔" ڈاکٹر اپنی بات مکمل کر کے چلا گیا اور امی جان ڈھے سی گئیں۔ " میری بچی۔" دادی جنیا نے حوصلہ دیا۔ وہ تسبیح کے دانے گراتیں مسلسل اللہ کے حضور دعا گو تھیں کہ موی کو ہوش آ جائے ۔ بھیا ڈاکٹر کی کہی ہوئی ادویات لے آئے تھے ۔ دو ہی دنوں میں اُن کا چہرہ اُتر گیا تھا ۔ اُن کی لاڈلی بہن زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی اور وہ کچھ نہیں کر پائے تھے ۔ بھی اپنی اپنی جگہ خود کو موی کی اس حالت کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے ۔ اُنھیں موی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔

" مجھے دکھ ہو رہا ہے ابو جان ! میں خود کو معاف نہیں کر پا رہا ہوں ۔" بھیا متاسف تھے۔

" نہ بیٹا نہ .... یہ قسمت کا کھیل ہے ، ہمیں قسمت پر اختیار نہیں ہے۔" دادی نے ورد ختم کیا اور تسبیح کو چومتے ہوئے گویا ہوئیں۔

" کچھ غلطی ہماری بھی ہے ۔ ہم ہی اُس سے سختی سے پیش آئے تھے ۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا ، ڈاکٹر بننا اُس کا بچپن کا خواب تھا ہمیں یوں اچانک اُسے اپنے خواب سے دستبردار ہونے کو نہیں کہنا چاہئے تھا۔" دادی ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں ۔ ماحول پہ سناٹا چھا گیا اور امی جان کو چار روز قبل کا وہ دن یاد آیا جب پتا چلا تھا کہ موی کا شہر کے کسی بھی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن نہیں ہو پایا ۔ دوسری بار ایسا ہوا تھا ۔ پچھلے سال بھی صرف پچیس نمبروں سے اُس کا ایڈمیشن ہوتا رہ گیا تھا لیکن اُس نے ہمت نہ ہاری تھی ۔ دن رات ایک کر کے اُس نے محنت کی فرسٹ ائیر میں اُس کے نمبر کم تھے ، اُس نے دوبارہ پرچے دیئے ، اس بار نمبر بہت اچھے تھے لیکن انٹری ٹیسٹ کی

وجہ سے چند نمبروں کا فرق رہ گیا تھا۔ وہ بہت افسردہ تھی۔ دن رات کی محنت بھی اُس کے خواب کی تعبیر نہ بن پائی تھی۔ ایک دن وہ اخبار لے کے آئی اور ابا جان سے کسی اور شہر کے میڈیکل کالج میں ٹیسٹ دینے کی اجازت چاہی۔ ابا جان غصے میں آ گئے:

''اب بھلا تم کسی اور شہر میں جا کے پڑھو گی، ہاسٹل میں رہو گی دماغ ٹھیک ہے ناں تمہارا۔''

''بہت ہو گیا موی... حد ہوتی ہے ضد کی.... نہیں ایڈمیشن ہوتا تو چھوڑ دو اس فیلڈ کو... ضروری تو نہیں کہ ڈاکٹر ہی بنا جائے، فارمیسی لائن جوائن کرلو۔ صرف پڑھائی کے لیے تمہیں اتنی دور نہیں بھیجا جا سکتا۔'' یہ بڑے بھیا کی رائے تھی۔

دادی اور امی بھی اُسے دوسرے شہر بھیجنے کی حامی نہیں تھیں۔ سبھی کو اعتراض تھا۔ دادی کو تو پچھلے سال سے ہی گلہ تھا کہ سال ضائع ہی کیوں کیا۔ پڑھ پڑھ کے ہلکان کیا اپنے آپ کو اور کچھ حاصل نہ وصول۔ لیکن موی اپنے خواب سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔ سب گھر والے ایک طرف تھے اور وہ تنہا اپنے موقف پہ ڈٹی تھی۔ سب نے اُسے تنہا کر دیا تھا کہ سوچے اور اپنی بات کے مضر پہلوؤں پہ غور کرے۔ وہ دن رات سوچتی رہتی لیکن اپنے اس خواب سے آگے اُسے کچھ اور نظر ہی نہ آتا تھا۔ یوں جیسے گھپ اندھیرا ہو اور وہ پورے گھر میں تنہا۔ شام کو بھیا فارمیسی میں ایڈمیشن کا فارم لے آئے اُس نے آنسو بہاتے اُس پر سائن کیے۔ دل ڈوب سا گیا تھا۔ خواب ٹوٹ چکا تھا اور اُس کی کرچیاں اُس کے دل اور دماغ میں پیوست ہو رہی تھیں۔ درد کی شدید لہر اُس کے دماغ سے اُٹھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے چلانے لگی۔ لگتا تھا سر پھٹ جائے گا۔ درد کی شدت برداشت نہ کرتے ہوئے وہ لہرا کے گر گئی۔

''آج تین دن ہو گئے ہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا اُسے۔'' بھیا بولے

''ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ بہت گہرے صدمے کا اثر ہے۔ اُسے سنبھلنے میں وقت لگے گا۔''

ابو اور بھیا بات کر رہے تھے۔ ابو جان پرسوچ انداز میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''ابو! میں دو تین شہروں کے میڈیکل کالج کے پراسپیکٹس لایا ہوں۔ میرے خیال سے اُسے آخری کوشش کر لینی چاہیے۔ یوں منزل کے بالکل قریب آ کے راستہ بدلنا واقعی بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''ہوں۔'' ابو نے مختصر سے ہوں پہ اکتفا کیا۔

''میں نے اپنے ایم ڈی سے بات کی ہے، جس کالج میں اُس کا ایڈمیشن ہوگا میں اپنا ٹرانسفر اُس شہر میں کروالوں گا۔''

''ہوں۔'' وہ ہنوز چپ تھے۔

''بس اب اُسے ہوش آجائے تو اُسے یہ خوشخبری سنادوں گا۔'' اب کے ابو جان نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور وہاں موی کا تخیل خواب اور حقیقت کے درمیان الجھا تھا۔ خواب فروش اُس کے ہاتھوں پیروں میں پیوست کرچیاں نکال رہا تھا، ہر چند کہ اُس کے اپنے ہاتھ زخمی تھے لیکن وہ اپنی محسنہ کو اس طرح مرنے نہیں دے سکتا تھا۔ خواب فروش نے اپنی دانست میں سبھی کرچیاں نکال ڈالی تھیں لیکن موی کے چہرے پہ ابھی تک زندگی کے آثار ناپید تھے۔ خواب فروش نے اچھے مقدر کی ڈنڈی اُس کے ہاتھ میں تھما دی اور زور زور سے اُس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔ ''اُٹھو موی.... جلدی جاگو.... دیکھو تمہارے گھر والے گھر آچکے ہیں وہ تمہیں نہ پاکے پریشان ہیں، تمہاری ماں نے رو رو کے اپنا برا حال کر لیا ہے، دیکھو تمہاری دادی کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ تمہارے ابو نے مسکرانا چھوڑ دیا اور بھائی کیسے بولائے بولائے پھر رہا ہے۔ اُٹھو موی.... اُٹھو۔''

☆......☆......☆

''کیا میری بچی کو ہوش آگیا ہے۔'' امی نے آنسو صاف کیے اور جلدی سے موی کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ اُس کے چہرے پر نقاہت تھی لیکن اپنے اردگرد سب کو پاکے اُس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ میری گڑیا! اگلی اتوار تمہیں اسلام آباد کے میڈیکل کالج میں ٹیسٹ دینے جانا ہے۔''

موی کی آنکھوں میں چمک سی جاگی، اُس سے بولا نہیں جا رہا تھا لیکن آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ امی جان اور ابو جان کے چہروں پہ مہربان مسکراہٹ تھی، دادی جان مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر کے اُس پر پھونک رہی تھیں۔ بھیا جانی اُسے یقین دلا رہے تھے کہ وہ اپنے خواب سمیت تنہا نہیں ہے سب اُس کے خواب کی تعبیر ملنے تک اُس کے ساتھ ہیں۔

☆......☆......☆

''کھلونے لے لو کھلونے.... خوبصورت کھلونے، انوکھے کھلونے.... نرالے اور اچھوتے کھلونے۔''

اٹھارہ سالہ موی نے یہ صدا سنی اور بھاگتی ہوئی کھڑکی کی طرف آئی۔ اُس نے کالے چرمی تھیلے اور بھوری چادر

میں لپٹے اُس کھلونے بیچنے والے کو دیکھا جو اُس کے بچپن سے اس گلی میں آیا کرتا تھا اور بھی بچے اُس کے اردگرد کھڑے ہو جاتے تھے۔ موی نے پہلی بار اُسی کے چرمی تھیلے سے نکلنے والا پلاسٹک کا ڈاکٹر سیٹ خرید تھا اور گھر بھر میں لئے لئے پھرتی تھی۔ ایک مسکراہٹ موی کے لبوں پہ پھیل گئی۔

''چلو بھئی موی جلدی سے آجاؤ.... وقت کم ہے۔''

بڑے بھیا کی آواز نے اُسے ماضی سے حال میں پہنچا دیا تھا۔ وہ بھیا کے ساتھ اسلام آباد ٹیسٹ دینے جا رہی تھی۔ خواب اُس نے تھام رکھا تھا۔ تعبیر چند قدموں کے فاصلے پر تھی اور اچھا مقدر اب مٹھی میں بند تھا۔ ''چلیں بھیا جانی میں تیار ہوں۔''

وہ گاڑی میں بیٹھی۔ شیشے کی اوٹ سے کھلونے والے کو دیکھ رہی تھی جو اپنے کالے چرمی تھیلے سے ایک گڑیا نکال کے ایک بچی کو دے رہا تھا۔ یوں جیسے کوئی خواب سونپ رہا ہو اور ہدایت کر رہا تھا کہ اس کو کیسے زیادہ مدت تک سنبھال کے رکھا جا سکتا ہے۔ گاڑی آگے بڑھ گئی اور موی نے گاڑی کی سیٹ پر سر ٹکائے آنکھیں بند کر لیں اُس کی مٹھی میں قرآنی دعاؤں کی چھوٹی سی کتاب تھی، جن کا ورد اُس کے لبوں پہ تھا گویا اچھا مقدر دعا میں پوشیدہ ہے۔